بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۵

نظرات

۱۲ ربیع الاوّل کو میلاد النبیؐ کے مبارک موقع پر صدر مملکت نے اپنے بیان میں جہاں اس تاریخی حقیقت کی نشان دہی کی کہ رسول اکرم علیہ الصّلوٰۃ والسلام کی ولادت انسانیت پر اللہ تعالیٰ کی لانہایت رحمت کا ایک مظہر تھا۔ اور یہ کہ آپ انسانی تاریخ کے ایک تاریک ترین دَور میں اور دنیا کے ایک تاریک ترین خطے میں مبعوث ہوئے، اور آپؐ نے نہ صرف یہ کہ اللہ کا پیغام نوع انسانی کو پہنچایا بلکہ آپؐ نے خود اپنی زندگی میں عمل کر کے بتایا کہ انسانی معاشروں کو اسلام کے اصولوں پر کس طرح منظم کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ آپؐ نے باہم بٹے ہوئے جنگ جو عرب قبائل کو ایک اُمت کی شکل دی، اور اس طرح اللہ کے پیغام سے مستفیض ہو کر وہ قبائل اس قابل ہوئے کہ ایک عظیم ترین انسانی تہذیب کی بنیاد رکھ سکیں۔

صدر مملکت محمد ایوب خان نے اپنے بیان میں جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ پیغام کی اس عظمت کا، جو تاریخ کے ایک دَور میں عملاً صورت پذیر ہوئی اور اس نے دنیا کا پورا نقشہ بدل دیا، ذکر کیا، وہاں اس امر کی بھی صراحت کی کہ آج ہمیں اپنے معاشرتی اور اقتصادی ارتقاء کے دوران بدلتے ہوئے حالات کی وجہ سے جن کثیر التعداد مسائل سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے، ان سے عہدہ برآ ہونے کے لئے پہلے سے کہیں زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور آپؐ کی تعلیمات کا مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے اور آپؐ نے اپنی ذات مقدس میں ایک مکمل انسان کا جو مثالی نمونہ چھوڑا ہے ہمیں اس کے اتباع کی حتی الوسع کوشش کرنی چاہئے۔

صدر ایوب نے بتایا کہ پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انسان کو جہالت اور توہم پرستی سے آزادی دلا کر علم اور تفحص و جستجو کی عدیم المثال نئی زندگی کی طرح ڈالی نیز فکر و عمل کی ناقابل تقسیم وحدت پر زور دے کر آپؐ نے انسان کے لئے یہ ممکن کر دیا کہ وہ شرافت و خُلق عالی، خدمت، اخوت اور سب سے بڑھ کر عدل اجتماعی کے بلند ترین مثالی معیاروں تک پہنچنے کا حوصلہ کر سکے۔

اپنے بیان کے آخر میں صدر مملکت نے ہم وطنوں سے اپیل کی کہ وہ رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت کا مطالعہ کریں، کیونکہ آج جو مسائل ہمیں درپیش ہیں، انھیں سمجھنے اور ان کی صحیح شناخت کا سب سے مختصر اور سب سے یقینی یہی راستہ ہے۔ صدر محترم نے کہا کہ میں آج کے مقدس دن تمام مسلمان مردوں اور عورتوں سے پُر زور درخواست کروں گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس دعوت کے لئے مبعوث ہوئے تھے، وہ اس کے لئے اپنے آپ کو از سر نو وقف کر دیں۔ حضورؐ نے ہمیں بڑی شدّ و مدّ سے اس امر کی تلقین فرمائی ہے کہ ہم آپؐ کی تعلیمات کو اپنی معاشرتی زندگی میں ٹھوس عملی شکل دیں۔ ہمیں آپؐ کے پیغام کے اس پہلو کو اپنی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دینا چاہیئے۔

آج سے کچھ اوپر چودہ سو سال قبل جب رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت مسعود ہوئی تو اس سے پہلے بہت سے پیغمبر مبعوث ہو چکے تھے اور ان کی نام لیوا متعدد اُمتیں بھی تھیں، جو اس کی مدعی تھیں کہ ہمارے پاس خدا کی دی ہوئی کتابیں ہیں۔ اسی طرح آپؐ سے پہلے بڑے بڑے فلسفی بھی گزر چکے تھے، جن کے مکاتب فلسفہ کا سلسلہ کسی نہ کسی شکل میں چل رہا تھا۔ لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو منصب نبوت پر فائز فرمایا اور آپؐ کی ذات اقدس کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رحمۃً للعالمین اور آپؐ پر جو پیغام نازل کیا، اسے ہمیشہ کے لئے ھُدًی للناس بنایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے یہ رحمۃ للعالمینی اور قرآن مجید کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تمام لوگوں کے لئے ہدایت ہونا، یہ دو امر ہیں، جن پر آج اس دور میں جو تاریخ کے پہلے تمام ادوار سے اس لحاظ سے بالکل منفرد ہے کہ اس میں قوموں اور ملکوں کے درمیان فکری اور جغرافیائی فاصلے اس طرح ختم ہوتے جا رہے ہیں کہ کُل بنی آدم اور پوری دنیا کو مخاطب کرنا اور انھیں ایک مرکز کی طرف لانا پہلے سے کہیں زیادہ آسان ہو گیا ہے۔ دعوتِ اسلام کے ضمن میں سب سے زیادہ زور دینے کی ضرورت ہے۔ توحید کا تصوّر بعثت محمدی سے پہلے بھی موجود تھا، اور یہ عقیدہ کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کی ہدایت کے لئے اپنے برگزیدہ بندے بھیجتا رہا ہے، اسے بھی اکثر لوگ مانتے تھے، لیکن رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ قرآن کی زبان سے توحید کا جو تصوّر پیش کیا گیا، وہ محض تصور یا فکر نہ رہا، بلکہ آپؐ کی ذات اقدس کی بدولت اس سے عملی نتائج بھی مترتب ہوئے اور یہی بنیاد بنے اس عظیم ترین انسانی تہذیب کے، جسے تاریخ میں اسلامی تہذیب کا نام دیا گیا ہے، اور جس کی طرف صدر محمد ایوب خان نے اپنے بیان میں اشارہ کیا ہے۔

اس کائنات کا خالق اور پروردگار ایک خدا ہے، اور ساری کائنات میں اسی کی مرضی اور اسی کا ارادہ و اختیار کارفرما ہے۔ اس نے نہ صرف انسانوں کو پیدا کیا اور بحیثیت "الربّ" کے، ان کے لئے وہ سب کچھ مہیّا کیا، جس کی انہیں ضرورت تھی، اُس نے اُن کے لئے "ہدایت" کا بھی انتظام کیا۔ اور اس سلسلے میں وہ برابر اپنے پیغمبر بھیجتا رہا۔ مختصراً یہ ہے توحید کا تصوّر جسے قرآن نے بار بار دہرایا۔ اس کے ساتھ ساتھ قرآن نے اس پر بھی زور دیا کہ شروع سے اسی توحید کا پیغام لے کر انبیاء آتے رہے ہیں۔ اور ان سب کی دعوت کا بنیادی نقطہ یہی توحید تھا۔ رسول اکرم علیہ الصّلوٰۃ والسلام کی بعثت اس دعوتِ مسلسل کی آخری کڑی ہے اور آپؐ کی ذاتِ اقدس میں اس کی تکمیل ہوئی ہے۔ ایک خدا اور اس کے اس آخری نبی علیہ الصّلوٰۃ والسلام پر ایمان لانے کے معنی یہ ہیں کہ اس پورے سلسلۂ ہدایت پر ایمان لایا جائے جو شروع سے چلا آرہا ہے، اور خود قرآن مجید کے الفاظ میں اس کے بعض حاملین یعنی پیغمبروں کا اس نے ذکر کیا ہے، اور بعض کا ذکر کرنا ضروری نہیں سمجھا۔

اب جہاں ایک خدا کے تصوّر سے جو سب کا خالق و پروردگار ہے، ایک کائنات، ایک انسانیت اور اس میں کارفرما ایک ہمہ گیر نظام کا تصوّر مترتب ہوتا ہے، وہاں اس کے ساتھ قرآن میں ایک سلسلہ ہدایت کی موجودگی پر بھی زور دیا گیا ہے۔ چنانچہ مومنوں کی یہ تعریف کی گئی ہے: "والذین یومنون بما انزل الیك وما انزل من قبلك"۔ اور ایک مسلمان کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے کہ "محمدؐ رسول اللہ" پر ایمان لانے کے ساتھ آپؐ سے پہلے جو پیغمبر آئے، ان پر بھی ایمان لائے۔ غرض توحید کا تصوّر ایک خالی خولی نظریہ نہیں تھا، جس کا کہ آب و گِل کی دنیا سے کوئی تعلق نہ ہو، اور وہ محض ذہن تک محدود رہے، جیسا کہ بعض مذاہب میں ہے، بلکہ یہ تصوّر عمل میں منتج ہوتا ہے۔ اور اس سے ہمہ گیر وحدت کے متعدد سوتیں پھوٹتے ہیں اور یوں بھی قرآن نے، جیسا کہ صدر مملکت نے کہا ہے، عقیدہ کے ساتھ عمل پر بھی اتنا ہی زور دیا ہے، جتنا عقیدہ پر، اور دونوں کو ایک ناقابل تقسیم وحدت قرار دیا ہے، اس لئے یہ عین قدرتی بات تھی کہ عقیدۂ توحید محض نظری بن کر نہ رہ جاتا، بلکہ وہ عملی زندگی میں بھی کارفرما ہوتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی زندگی، آپؐ کی دعوت اور اس دعوت سے ایمان باللہ، عمل صالح، اخوت اور عدل اجتماعی پر مشتمل جو نظام بروئے کار آیا، اور اس نے آگے چل کر جس طرح تاریخ انسانی کا رُخ بدلا اور گری ہوئی انسانیت کو نئی عظمتوں سے متعارف کرایا، یہ عملی مظہر ہے اسی عقیدہ توحید کا، اور اسی بناء پر آپؐ کو رحمۃ للعالمین

کے لقب سے سرفراز فرمایا گیا۔

اپنے عہدِ آغاز میں اسلام کے بنیادی عقائد اور ان سے مترتب ہونے والے یہ عملی لوازم تھے، جن کو لے کر وہ دنیا کی تسخیر کے لئے نکلا۔ یہاں تسخیر سے مراد فوجی طاقت کے بل پر ملکوں کو فتح کرنا نہیں، بلکہ ان کی معنوی تسخیر ہے، جو فوجوں کے ذریعہ بھی ہوئی اور پُر امن دعوت و ارشاد سے بھی۔ اس وقت تمام مذاہب آپس میں دست و گریبان تھے اور ان میں سے ہر ایک کا یہ دعویٰ تھا کہ حق صرف اسی کے پاس ہے۔ اور اس برسرِ حق ہونے کی بنیاد محض زبانی عقائد پر تھی، جن کا نہ تو دلوں سے تعلق تھا اور نہ عمل سے۔ اسلام نے اُن کے ان دعوؤں کی تردید کی اور جہاں ایک طرف حق کا تعین کیا، وہاں یہ بھی بتایا کہ اس حق پر محض زبان یا دل سے ایمان لانا کافی نہیں، بلکہ اس حق کو اپنی اور اپنے معاشرے کی زندگی میں بروئے کار لانا بھی ضروری ہے۔

اُس وقت ایک مذہب والے کا دوسرے مذہب والوں کی، بلکہ ایک ہی مذہب کے ایک فرقے کا دوسرے فرقے کے لوگوں کی، حکومت میں امن و امان سے رہنا ناممکن ہو گیا تھا۔ ایران کی مجوسی حکومت عیسائیت قبول کرنے والے ایرانیوں کو برداشت نہیں کرتی تھی، اسی طرح شام و مصر میں ایک عیسائی فرقہ جب برسرِ اقتدار آتا، تو دوسرے عیسائی فرقے کو بے دریغ قتل کرتا۔ اسلام نے نہ صرف عقیدہ "لا اکراہ فی الدین" کا اعلان کیا، بلکہ اس کے ماننے والوں نے جب حکومتیں بنائیں تو ان کے تحت عیسائی، یہودی، مجوسی اور دوسرے مذاہب والے اسی طرح امن و امان میں رہتے تھے، جو خود مسلمانوں کو حاصل تھا۔

اُس وقت انسانیت نسلوں، رنگوں، ملکوں اور مذہبوں میں بٹی ہوئی تھی، اور انسانیت عامہ کا تصوّر ذہنوں سے یکسر ناپید تھا۔ اسلام نے اس تصوّر کو عام کیا۔ اور اسی کی اساس پر اس کی عظیم الشان تہذیب پروان چڑھی، جس کی تکوین و ترقی میں سب نسلوں، سب قوموں اور سب اہل مذاہب نے حصّہ لیا۔ گو علمی و ذہنی قیادت مسلمانوں کی تھی۔

اُس وقت قیصر و کسریٰ اور ان جیسے دوسرے فرمانرواؤں کے ہاتھوں خدا کی مخلوق اقتصادی و معاشرتی لحاظ سے بُری طرح پس رہی تھی، اسلام نے اسے اس ظلم سے نجات دلائی اور اس کو نئی زندگی سے بہرہ ور کیا۔ اخوت، مساوات اور عدل اجتماعی، اسلامی نظامِ سیاست کے یہ تین اصول تھے، جن سے دُنیا پہلی بار مسلمانوں کی بدولت واقف ہوئی۔

غرض اسلام نے اپنے دورِ اوّل میں جہاں توحید اور رسالت کے عقائد کو ایسی شکل میں پیش کیا کہ ان سے انسانی روح و فکر کے لئے ترقی کے لامحدود امکانات پیدا ہوئے، وہاں اُس نے اُس وقت جو بھی سنگین مسائل درپیش تھے اور جو انسانیت کے لئے عذاب بنے ہوئے تھے، انھیں بڑی خوش اسلوبی سے حل کیا۔ فکر و عمل ہر دو میں اسلام کا یہ اتنا بڑا کارنامہ ہے کہ تاریخ اسے کبھی نہیں بھلا سکتی۔ بےشک ہم مسلمان آج بحیثیت مجموعی اس کارنامہ کی برکات سے محروم ہو گئے ہیں اور گزشتہ کئی صدیوں کے زوال و جمود نے ہمیں اس قابل نہیں چھوڑا کہ ہم اس سے خاطر خواہ استفادہ کر سکیں، لیکن اپنے اپنے وقت میں دوسری قوموں اور دوسرے مذاہب نے اس سے یقیناً فائدہ اٹھایا۔ یورپ میں اصلاح مذہبی کی تحریک اور پوپ کی "خدائی" کے خلاف یورپ کی بغاوت تمام تر اسلامی اثرات ہی کا نتیجہ تھا۔ انہی اثرات سے یورپ کی اس تہذیب کی بھی شروعات ہوئیں، جس کا سکّہ دو سو سال سے دنیا پر چل رہا ہے۔ یہ اثرات اسلامی اسپین اور اسلامی سسلی کے راستے یورپ میں پہنچے اور وہاں عرصہ دراز تک مسلمان فلاسفہ کی کتابیں زیرِ مطالعہ رہیں۔

خود اس برعظیم پاک و ہند میں ہندو مذہب میں اصلاح کی جو تحریک اٹھی، اور جس نے کہ آگے چل کر ہندوؤں میں سیاسی بیداری بھی پیدا کی، اس کا سرچشمہ جنوبی ہند سے پھوٹتا تھا، اور یہ نتیجہ تھا ان اسلامی اثرات کا جو مسلمان تاجروں کے ذریعہ وہاں پڑے اور انھوں نے ہندو ذہن کو صدیوں کی توہم پرستی و جمود سے نکالا۔ مشہور مورّخ و محقق ڈاکٹر تارا چند نے ہندو کلچر پر اسلام کے اثرات پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔

عیسائیوں اور ہندوؤں کے علاوہ دوسری قوموں پر بھی اسلام کے بڑے دُور رس اثرات پڑے۔ قصہ کوتاہ انسانی قافلے کو آگے بڑھانے میں اسلام نے جو تاریخی کردار ادا کیا، اسی کا نتیجہ ہے کہ آج یہ قافلہ یہاں ہے۔

بےشک یہ سب کچھ ماضی میں ہوا، لیکن آخر ہے تو یہ تمام ہماری ملّی تاریخ کا ایک حصّہ ہی۔ ہم اوروں سے زیادہ اچھی طرح اسے سمجھ سکتے، اس کی قدر و قیمت کا اندازہ کر سکتے اور اس سے رہنمائی و فیض حاصل کر سکتے ہیں۔ ضرورت اس کی ہے جیسا کہ صدرِ مملکت نے فرمایا ہے، ہمیں جن مسائل سے آج سابقہ پڑ رہا ہے اور جو پیدا ہو رہے ہیں ہمارے موجودہ دورِ انتقال کی، انہیں حل کرنے کے لئے رسول اکرم علیہ الصّلوٰۃ والسلام کی سیرت اور آپؐ کی تعلیمات کا بغور مطالعہ کریں، اور آپؐ نے، آپؐ کے جانشینوں نے اور ان کے بعد آنے والوں نے اپنے اپنے دَور کے مسائل کو جس طرح حل کیا، اس سے سبق لیں، اور اسے اپنے لئے شمع ہدایت بنائیں

ماضی کی عظمتیں اگر صرف ماضی کی ہو کر رہ جائیں، تو ان کی حیثیت افسانوں سے زیادہ نہیں ہوتی۔ یہ عظمتیں محرک بننا چاہئیں فکر نو کے لئے۔ نیز عمل کے لئے، مثبت و صالح عمل کے لئے،

ع ازنفسہائے رمیدہ زندہ شو

گزرے ہوئے نفسوں سے زندگی صرف اسی طرح مل سکتی ہے۔

دوسرے مذاہب اور فلسفوں کے مقابلے میں اسلام کا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ جہاں ایک طرف اس کے دینی عقائد فکری و نظری اعتبار سے اتنے بلند، اتنے وسیع اور اس قدر گہرے ہیں کہ ذہن انسانی اُس سے آگے نہیں جا سکتا، اور انفرادی اخلاق اور اجتماع و معاشرہ کے جو اصول اس نے پیش کئے ہیں، ان میں روحانی و دینوی ضرورتوں کا پورا خیال رکھا گیا ہے۔ نیز اخوت انسانی، مساوات عمومی اور عدل اجتماعی جیسے اعلیٰ اصولوں کو اس نے منجملہ لوازم دین قرار دیا ہے، وہاں اس کے ساتھ ساتھ اسلام نے اس پر بھی زور دیا ہے کہ جب تک ان عقائد اور ان اصولوں کو افراد اور معاشرہ کی زندگی میں عملی شکل نہ دی جائے، وہ ناقص رہیں گے۔ آج ہم میں یہ نقص عام ہے، اور اسے دُور کرنے کی طرف ہمیں سب سے زیادہ توجہ کرنی چاہیئے۔

قرآن مجید کے نزول کا آغاز "اقراء" سے ہوا۔ اس نے بت پرستی کے خلاف جہاد کیا۔ اس نے رُجز (نجاست) کو چھوڑنے اور کپڑے صاف رکھنے کی تلقین فرمائی۔ پھر شروع ہی سے اس نے صلۂ رحمی، حاجت مندوں کی حاجت پوری کرنے، یتیموں کی کفالت کرنے اور غریبوں اور مسکینوں کی مدد کرنے کی بار بار تلقین فرمائی۔ اُس نے یہ بتایا کہ زبانی دعوے بے کار ہیں۔ اصل پرکھ عمل سے ہوتی ہے۔ اور یہ کہ دل میں کچھ اور ہو، اور زبان پر کچھ اور، خدا تعالیٰ کے نزدیک یہ بڑی قابل نفرت چیز ہے۔ قرآن نے نسل اور رنگ کے تعصبات کو غلط ٹھہرایا اور فرمایا کہ سب انسان ایک آدم کی اولاد میں سے ہیں۔ اس نے جہاں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے پر زور دیا، وہاں اعمال صالحہ اور بہبود عامہ کے کاموں کو بھی ضروری قرار دیا۔

بت پرستی توہم پرستی کا ایک مظہر تھا۔ اسلام نے ہر قسم کی توہم پرستی کو مردود گردانا۔ اس نے حصول علم پر زور دیا اور عقل و خرد سے کام لینے کی تلقین فرمائی۔ اس نے بتایا کہ کائنات انسان کے لئے مسخر کی گئی ہے۔ انسان کو اس سے فوائد حاصل کرنے چاہئیں۔ اس نے ایک فعّال، خلاق اور متحرک و ترقی کرنے والی زندگی کا تصوّر دیا —— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خود اپنی زندگی قرآن کے ایک ایک حکم کی عملی تعبیر تھی۔

آپؐ نے انہی کے مطابق افراد کے لئے اخلاقی ضوابط اور معاشرہ و مملکت کے لئے اصول عمومی وضع فرمائے چنانچہ ان کی اساس پر اسلامی معاشرہ اور اسلامی مملکت وجود میں آئی۔ اور افراد و جماعت کی زندگی کو ان کا پابند بنایا گیا یعنی جن عقیدوں اور اصولوں کو مانا جاتا تھا، ان پر جہاں تک ممکن تھا، عمل کرانے کی کوشش کی گئی کیونکہ اس مبارک دور میں اسلام، ایمان و عقیدہ اور عمل دونوں سے عبارت تھا۔ اور اس ارشادِ قرآنی کے مطابق "کبر مقتاً عند اللہ ان تقولوا ما لا تفعلون" قولِ بے عمل کو بہت بُرا سمجھا جاتا تھا۔

آج کل میلاد النبیؐ کے سلسلے میں بہت کچھ ہوتا ہے۔ جلسے ہوتے ہیں، بڑے بڑے جلوس نکالے جاتے ہیں۔ ہفتوں بلکہ مہینوں تقریروں کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ لیکن جیسا کہ صدر مملکت محمد ایوب خان نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ اس موقع پر ہماری نظروں سے یہ چیز اوجھل نہیں ہونی چاہیئے کہ ایک تو وہ دعوت جس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عمل میں آئی، وہ ہمارے پیش نظر رہے اور اس موقع پر ہم اس کے لئے اپنے آپ کو از سرِ نو وقف کرنے کا عہد کریں۔ دوسرے ہم آپؐ کی تعلیمات کو اپنی معاشرتی زندگی میں عملی جامہ پہنانے کی کوشش کریں۔

اگر ہر سال ہم اس موقع پر اپنے دلوں اور دماغوں میں دعوتِ نبویؐ کی اس طرح یاد تازہ کر لیا کریں، تو یہ موقع کتنا بابرکت، کتنا مفید اور کتنا مؤثر ہو سکتا ہے۔ خدا ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

دین اسلام کی معنوی برتری کے طفیل اُمت مسلمہ تقریباً ایک ہزار سال تک بحیثیت مجموعی علوم و فنون، تہذیب و تمدن، سیاست و حکومت اور اقتصادیات و معاشرت میں دنیا کی سب قوموں سے آگے رہی ہے۔ اور اس نے اتنی طویل مدّت تک دنیا کی رہنمائی کی ہے۔ آج مسلمانوں کو پھر وہی تاریخی فریضہ سر انجام دینا ہے اور اس کے لئے ضرورت ہے کہ ہم اسلام کی معنوی برتری کی عملی تطبیق کریں اور وہ مسائل جو آج انسانیت کو درپیش ہیں، اور جن کی وجہ سے واقعتاً ہلاکت کے گڑھے کے کنارے پر کھڑی ہے، اس کی مدد سے انہیں حل کرنے کی کوشش کریں۔ توحید اور رسالت کے اسلامی تصور کو حیات انسانی میں عملاً کارفرما کر کے انسانیت کو وہ وحدت بھی میسّر آسکتی ہے، جس کی آج اسے اشد ترین ضرورت ہے، اور اس سے وہ عدل اجتماعی بھی متشکل ہو سکے گا، جس کی عدم موجودگی نے دنیا میں ایک طوفان برپا کر دیا ہے۔